اللہ کا رنگ اختیار کرو

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۴ / جنوری ۱۹۸۳ء بمقام دارالذکر لاہور)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے اس آیۃ کریمہ کی تلاوت فرمائی:

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً (البقرۃ:۱۳۹)

اور پھر فرمایا:

اللہ کا بھی ایک رنگ ہے اور اللہ سے بہتر اور کس کا رنگ ہوسکتا ہے۔

اس مختصر سی آیت میں تمام نصیحتوں کا نچوڑ بیان فرما دیا گیا۔ تمام دنیا کی کتابوں کی نصیحتیں اکٹھی کر لیں اور قرآن کریم میں بیان فرمودہ نصیحتوں کی تشریحات کرتے چلے جائیں، اس آیت کے مرکزی نقطہ کے دائرہ سے وہ نصیحتیں باہر نہیں جاسکتیں۔ فرمایا اللہ کی صفات کو اختیار کرو اور ویسا بننے کی کوشش کرو۔ نصیحت کا یہ وہ مرکزی نقطہ ہے جس سے آگے تمام نصیحتیں بھی پھوٹتی ہیں اور نصیحت کرنے والے اپنے اختیار بھی لیتے ہیں۔

پس جب یہ کہا گیا کہ آنحضرت ﷺ کو اسوہ بنایا گیا ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب:۲۲) تو بات حضور اکرمؐ سے شروع نہیں کی گئی بلکہ بات یہاں سے شروع کی گئی کہ یہ وہ شخص ہے جس نے اللہ کے ہر رنگ کو بہترین طور پر اپنا لیا اور جس حد تک انسان کے لئے اپنی تشکیل اور تخلیق کے لحاظ سے ممکن ہے تمام صفات باری تعالیٰ کو اپنے اوپر وارد کر لیا

اس لئے یہ اسوہ بنا ہے۔ ورنہ ایک انسان کو کسی دوسرے انسان کے لئے نہ ناصح بننے کا حق ہے نہ اسوہ بننے کا حق ہے۔ مالک سے بات پھوٹتی ہے اور خالق سے بات چلتی ہے۔ جب تک کسی کو اللہ تعالیٰ کی نمائندگی کا حق عطا نہ ہو نہ وہ نصیحت کرنے کا اہل ہوتا ہے نہ نصیحت کرنے کا حق رکھتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان چند کلمات میں حیرت انگیز طور پر نصیحت کے معاملہ میں تمام حکمتیں بیان فرما دیں اور اسی سے پھر آگے نصیحت کے متعلق جو ضروری ہدایات ہیں مثلاً کیا کیا چیزیں اختیار کرنی چاہئیں اور کیا کیا نہیں کرنی چاہئیں، یہ تمام باتیں بھی اسی ایک چھوٹے سے جملے سے پھوٹتی ہیں۔ فرمایا گیا، اللہ کا رنگ ہے اور اس سے بہتر رنگ کون سا ہے جس کو تم اختیار کرو گے۔ لیکن سب دنیا والے جانتے ہیں کہ رنگ خواہ کتنا ہی اچھا ہو اگر رنگ قبول کرنیوالے مادہ میں اہلیت موجود نہ ہو اور وہ اسے قبول نہ کر سکے تو گھنٹوں کیا، دنوں کیا، سالوں بھی اس مادہ کو رنگ میں ڈبوئے رکھیں گے وہ اسی طرح بغیر رنگ کا اثر قبول کئے باہر نکل آئے گا تو پھر لازماً قرآن کریم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ رنگ کرنے والوں کے اطوار اور اخلاق کو بھی بیان کرے، ان کی ذمہ داریوں کو بھی بیان کرے، ان کو یہ بتائے کہ کس طرح رنگ چڑھائے جاتے ہیں اور جن پر رنگ چڑھانا ہے ان کی تمام ذمہ داریوں کو بھی بیان کرے اور ان کمزوریوں سے ان کو متنبہ کرے جن کے نتیجہ میں صفات باری تعالیٰ کے حسین رنگ چڑھ ہی نہیں سکتے۔

چنانچہ اس مضمون پر قرآن کریم میں حیرت انگیز تفصیل کے ساتھ تعلیم موجود ہے۔ ایک مسلمان اگر دنیا کی تمام کتابوں کے مقابل پر قرآن کریم کی ایک تعلیم ہی کو سامنے رکھ لے اور قرآن کریم کی آیات پر غور کر کے خود ذہنی طور پر تیار ہو جائے تو وہ بے تکلف اور بلا جھجک دنیا کے سارے مذاہب کو یہ چیلنج دے سکتا ہے کہ تم صرف اسی تعلیم کی کوئی نظیر ایک مذہب سے نہیں سارے مذہبوں کے مجموعہ سے پیش کر کے دکھا دو اور یہ دعویٰ محض ایک بڑ نہیں، خواہ مخواہ کی لاف زنی نہیں کیونکہ جیسا کہ میں بیان کروں گا جب بات کھلے گی تو کھلتی چلی جائے گی اور یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آجائے گی کہ قرآن کریم نے اس موضوع پر بڑی گہری روشنی ڈالی ہے (اور ابھی ان تمام آیات کو میں نے مجتمع نہیں کیا کیونکہ وقت بھی تھوڑا تھا اور بہت سی مثالیں دینے سے بھی قاصر رہوں گا) سر دست اس مختصر وقت کی رعایت سے میں چند آیات آپ کے سامنے رکھوں گا ان سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ اس

معاملہ پر قرآن کریم کس تفصیل کے ساتھ بحث اٹھاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا رنگ قبول کرنے سے پہلے جو بیماریاں اس راہ میں حائل ہو جاتی ہیں وہ دور کرنی ضروری ہیں۔ جب تک پہلے وہ داغ صاف نہ ہوں اور وہ چکنائی نہ اترے جو طبیعتوں پر چڑھی ہوئی ہے اور وہ بنیادی وجوہات دور نہ ہوں جن کے نتیجہ میں انسان نصیحت قبول کرنے سے عاری رہ جاتا ہے اس وقت تک نصیحت مؤثر ثابت نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اس پہلو پر میں آج مختصراً قرآن کریم کی چند آیات آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

پہلی بات قابل توجہ یہ ہے کہ بہت سے نصیحت نہ قبول کرنیوالے اس وجہ سے نصیحت کے نیک اثر سے محروم رہ جاتے ہیں کہ ان کے نفس بہانے بہت پیش کرتے ہیں۔ ان کو اپنے دفاع کی عادت پڑ چکی ہوتی ہے اور جب بھی انہیں کوئی بات کہے ان کو ایک Inferiority Complex یعنی احساس کمتری دل میں پیدا ہوتا ہے کہ یہ بات جو باہر سے کر رہا ہے گویا مجھے ادنیٰ سمجھ رہا ہے اور مجھے یہ بتانا چاہتا ہے کہ تمہارے اندر کمزوریاں ہیں اس لئے میں بھی اپنی ہر کمزوری کا دفاع کروں گا۔ چنانچہ وہ اپنے نفس سے بھی جھوٹ بول رہا ہوتا ہے اور اس کہنے والے کے مقابل پر بھی جھوٹ بول رہا ہوتا ہے اور اتنے عذر تلاش کرتا ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ۝ (القیامہ:۱۶) بڑے لمبے چوڑے عذر یوں پھوٹنے لگتے ہیں جس طرح پہاڑوں سے چشمے ابلتے ہیں اور وہ خود بھی بعض دفعہ ان باتوں سے ناواقف ہوتا ہے۔ اگر غور کرے تو ضرور ان کی حقیقت کو پالے لیکن اکثر انسان غفلت کی حالت میں زندگی بسر کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ وہ جو باتیں کہہ رہے ہیں ان میں کوئی حقیقت بھی ہے یا نہیں۔ چنانچہ اس ذکر کے بعد کہ: بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۝ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ۝ (القیامۃ:۱۵،۱۶) قرآن کریم نہایت ہی پیارے رنگ میں ایسے عذر پیش کرنیوالوں کو سمجھاتا ہے۔ کہتے ہیں دائی سے بھی عیوب کبھی چھپ سکتے ہیں۔ وہ کہتی ہے میں تو تمہارے پوتڑوں تک سے واقف ہوں۔ لیکن قرآن کریم اس سے بھی بہت پہلے سے بات شروع کرتا ہے فرماتا ہے:

اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۝ (النجم:۳۳)

سب سے پہلے دل کو نرم کرنے کے لئے اور خوف دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو تسلی دلاتا ہے جو بہانہ ساز یا بہانہ جو ہوتے ہیں اور فرماتا ہے کہ تم جو بہانے پیش کر رہے ہو اور اپنے افعال کا دفاع کر رہے ہو اس خوف سے کہ سزا ملے گی تو سنو ! ہم تمہیں تسلّی دیتے ہیں کہ :اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ اے انسان! تیرا رب بہت وسیع مغفرت والا ہے اس لئے تم بے ضرورت باتیں کر رہے ہو۔ وہ تو ایسا مغفرت والا ہے کہ اس کے سامنے سیدھی اور صاف بات اور جرم کا صاف اقرار سزا کا مستوجب نہیں بناتا بلکہ مغفرت کا مستوجب بنا دیتا ہے ۔ اور پھر بہانہ سازی کی یہ کوشش لاطائل اور لا حاصل ہے اس سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔ فرماتا ہے هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وہ تمہیں اس وقت سے جانتا ہے جب اس نے زمین سے تمہیں پہلی بار اٹھایا تھا۔ جب تمہیں آغاز تخلیق میں وجود کی خلعت بخشی گئی تھی جس کا مطلب یہ ہے کہ کروڑہا کروڑ سال (اتنے سال پہلے کہ عام آدمی ان کا تصور بھی نہیں کرسکتا) جب زندگی کا آغاز ہوا تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ واقف تھا کہ اس جنس میں کیا کیا کمزوریاں پیدا ہوں گی ،اس میں کون سی صفات حسنہ ہوں گی اور کون سی صفات سیئہ ہوں گی۔ اس آیت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ انسان کا بلیو پرنٹ یعنی اس کی تخلیق کا خاکہ اسکی پیدائش سے بہت پہلے بنا دیا گیا تھا کیونکہ جب تک پہلے یہ خاکہ تیار نہ ہو یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ ہم تمہیں اسوقت سے جانتے ہیں جبکہ تم بحیثیت انسان ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے بلکہ کائنات میں زندگی کے آغاز کے وقت انسان اپنی تخلیق کے ابتدائی مراحل میں کروٹیں بدل رہا تھا اس وقت سے ہم تمہیں جانتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا آغاز جس وقت سے بھی ہوا اور جس شکل میں بھی ہوا آخر تک انسان کے اندر جو جو صفات پیدا ہونی تھیں ان سب کا ابتدائی نقشہ اس وقت بھی موجود تھا۔

پھر فرماتا ہے کہ پھر ایسا وقت بھی آیا کہ تم انسان کی شکل میں دنیا میں ظاہر ہوئے لیکن دائیاں تو تمہارے پوتڑوں سے واقف ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ تم سے ہم اس وقت سے واقف ہیں جب تم ماں کے پیٹ میں جنین تھے، دو حقیر سے ذرے آپس میں مل رہے تھے اور کچھ واقعات رونما ہو رہے تھے، کچھ تبدیلیاں پیدا ہو رہی تھیں ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم جبکہ اس وقت بھی جانتے تھے کہ تم کیا بننے والے ہو تو ہمارے ہی سامنے کیا عذر

پیش کرتے ہو۔ کیا پاگلوں اور بے وقوفوں والی بات ہے۔ اس خدا سے عذرات پیش کر کے اپنے افعال کا دفاع کیا جارہا ہے جو تخلیق آدم سے پہلے بھی انسان سے واقف تھا اور جنین کی ہر تبدیلی سے واقف تھا اور جانتا تھا کہ اس ماں کے پیٹ میں کن کن بدخیالات کے اثرات مجتمع ہو رہے ہیں، کن کن نیک خیالات کے اثرات مجتمع ہو رہے ہیں اور کس قسم کا بچہ پیدا ہونے والا ہے۔

پس بے معنی باتیں کرتے ہو۔ فرمایا فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ میرے سامنے اپنے آپ کو نیک نہ بنایا کرو۔ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ تم میں سے نیک کون ہے اور صحیح معنوں میں اس سے ڈرنے والا کون ہے۔ اس ایک آیت میں سارے عذرات کا قلع قمع کر دیا گیا ہے اور انسان کو کیسا انکسار سکھا دیا اور اس کی حیثیت بتا دی کہ اس سے آگے بڑھ بڑھ کر تم باتیں نہ کیا کرو۔ نصیحت قبول کرنی ہے تو اپنے اندر عجز اور انکساری پیدا کرو اپنے دفاع کی عادت نہ ڈالو اور جان لو کہ خدا تعالیٰ کے سامنے تمہاری کوئی بھی حقیقت نہیں ہے۔ جب انانیت کا یہ داغ دور ہو جاتا ہے اور کاٹا جاتا ہے (اگر دوسرے داغ نہ ہوں) تو پھر ایسا انسان اللہ تعالیٰ کا رنگ پکڑنے کا اہل ہو جاتا ہے۔ پس کیسی حکمت کے ساتھ ایک داغ کو دور فرمایا اور اس آیت نے اس کا ادنیٰ سے ادنیٰ نشان بھی باقی نہیں رہنے دیا۔

پھر فرماتا ہے مادہ پرستی اور عقوبت سے بے نیازی کی سوچ بھی انسان کے نصیحت پکڑنے کی راہ میں حائل ہو جاتی ہے یعنی نصیحت اور انسان کے درمیان یہ باتیں حائل ہو جاتی ہیں۔ جب ان کو نصیحت کی جاتی ہے، جب خدا کا رسول انہیں نیکیوں کی طرف بلاتا ہے تو وہ کہتے ہیں:

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝

(الجاثیہ:۲۵)

وہ کہتے ہیں ہمیں تو سوائے اِس حیاتِ دنیا کے اور کچھ نظر نہیں آتا نَمُوْتُ وَنَحْيَا اس دنیا میں ہم جیتے بھی ہیں اور مر بھی جاتے ہیں تم ہمیں کیوں ایسی باتوں کی طرف بلاتے ہو جن کے اثرات موت کے بعد ظاہر ہو سکتے ہیں۔ اگر موت کے بعد کی کوئی زندگی ہو تو تم کیسی یہ باتیں کرتے ہو کہ خدا زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے حالانکہ مَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ہمیں تو صرف زمانہ ہی

مارتا ہے۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ وہ زندگی اور موت کے فلسفہ سے ناواقف ہیں۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ زندگی کے محرکات کتنے عظیم الشان اور کتنے گہرے اور کتنے وسیع ہیں اور موت کا نظام بھی کتنا کامل نظام ہے اور کس طرح مربوط اور منضبط ہے۔ ان کو کوئی علم نہیں ہے مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ظنی باتیں ہیں ان کی یعنی اس زمانہ کا انسان بھی اس آیت کا مخاطب ہے اور جوں جوں انسان کا شعور اور بصیرت بڑھتی چلی جاتی ہے وہ اپنی لاعلمی کا پہلے سے بڑھ کر اقرار کرتا چلا جاتا ہے۔

موت اور زندگی کے جو محرکات ہیں اور اس کے جو اسباب اور موجبات ہیں یہ اتنے گہرے اور اتنے تفصیلی ہیں اور یہ ایک ایسا عظیم الشان نظام ہے کہ اگر اس کو اس علم کے مطابق بھی بیان کیا جائے جو آج تک انسان کو حاصل ہوا ہے تو مدتیں چاہئیں اس کے بیان کے لئے اور آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جب کہ انسان کا شعور بہت ہی ابتدائی مرحلہ پر تھا یا انسان کا علم اس معاملہ میں بہت ہی ابتدائی مرحلہ پر تھا اس وقت بھی جاہل بڑی بڑی چھلانگیں مارتے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ تکبر ہمیشہ جہالت کی پیداوار ہوتا ہے اور علم سے ہمیشہ انکسار پھوٹتا ہے۔ تو مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ کہہ کر ان کے تکبر کی طرف بھی اشارہ کر دیا۔ جاہل لوگ ہیں، پتہ ہی کچھ نہیں اس لئے بے دھڑک ہو کر باتیں کرتے ہیں۔ اگر ان کو ذرا بھی علم ہوتا کہ کیا نظام ہے تو وہ خدا تعالیٰ کے سامنے خوف زدہ ہو جاتے۔

پھر نصیحت کے تعلق میں انسان کی اس بے نیازی کو بعض دفعہ اموال بھی بڑھا دیتے ہیں یعنی انسان کو ایک تحفظ حاصل ہو جاتا ہے کہ گویا میں مالدار ہوں اور میں نصیحت کرنے والے کا محتاج نہیں ہوں۔ وہ غریب آدمی ایک ایسا انسان جو غلاموں میں مقبول ہے اور خود بھی غریب ہے اور اسے کئی وقت کی روٹی بھی میسّر نہیں آتی، جو ملکیت تھی وہ لوگوں کو دے بیٹھا اب تو اس کے پاس کچھ بھی نہیں رہا یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ یہ مجھے کہتے ہیں اور مجھے عاقبت سے ڈراتے ہیں ان کی تو اپنی حیثیت کوئی نہیں۔ میرے پاس اموال ہیں، میرے پاس دولتیں ہیں، میں ان نصیحتوں سے بے نیاز ہوں۔

جب انسان کے دل میں یہ خیالات پیدا ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان نصیحت کو قبول کرنے کا اہل نہیں رہتا۔ یعنی جھوٹا اور غلط تحفظ انسان کو نصیحت کی احتیاج سے مستغنی کر دیتا ہے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ (الانعام:۹۵)

اس مضمون کو اَور بھی کئی جگہ مختلف شکلوں میں پھیلا کر بیان فرما رہا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى تم اکیلے ہمارے پاس آؤ گے۔ اگر تمہیں اموال کا تحفظ حاصل ہے تو وہ بھی نہیں رہے گا۔ اگر تمہیں دوستیوں کا اور افراد کا اور جتھے بندیوں کا تحفظ حاصل ہے یا خاندانی عظمتوں کا تحفظ حاصل ہے تو وہ بھی تمہیں حاصل نہیں رہے گا۔ جب جواب دہی کا وقت ہوگا تو ہمارے سامنے تم اکیلے حاضر ہوگے۔ كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ اسی طرح اکیلے اور تنہا جس طرح ماں کے پیٹ سے نکلے تھے کوئی قوت تمہارے ساتھ نہیں آئی تھی دوسروں پر تمہارا کلیتہً انحصار تھا بالکل اسی طرح اس وقت بھی تمہارا سارا انحصار مجھ پر ہوگا اس لئے اگر تمہیں یہ خیال ہے کہ اموال و دولت کا تحفظ حاصل ہو گیا ہے اس لئے تم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نصیحت کو قبول نہیں کر رہے تو فرمایا وَتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ جو کچھ بھی ہم نے تمہیں عطا کیا تھا سب کچھ اپنے پیچھے چھوڑ آؤ گے۔ کیسی عمدگی اور صفائی کے ساتھ دل کے اس داغ کو بھی کاٹ دیا، اس گند کو بھی صاف کیا کیونکہ جب تک انسان کے دل میں یہ وہم موجود رہے کہ میں مستغنی ہوں، مجھے کوئی پرواہ نہیں، میرے پاس دولتیں ہیں، میرے پاس دیگر سہارے ہیں، اس وقت تک انسان نصیحت کو قبول کرنے کا اہل نہیں بنتا۔ اور یہ ایک ایسی ٹھوس حقیقت ہے کہ انسان کے تنزل کی تاریخ میں ایک بہت بڑا کردار ادا کرنے والی حقیقت ہے۔ کتنی بڑی بڑی بادشاہتیں اس بنا پر ٹوٹ گئیں کہ بادشاہتوں کو اپنی دولتوں اور عارضی طاقتوں کا تحفظ حاصل ہوا اور انہوں نے غریب درویشوں کی باتوں کو نہیں سنا۔ چنانچہ اموال کا تکبر بھی انسان کی راہ میں حائل ہو جاتا ہے اور نصیحت کو قبول کرنے کے قابل نہیں رہتا۔

پھر نفس کی جھوٹی عزت بھی بہت سے لوگوں کو اچھی باتوں سے محروم کر دیتی ہے۔ اور ایک تو نفس کا استکبار ہے۔ یعنی ایک ہے بیرونی طور پر انسان کے مالک ہونے کا استکبار اور دوسرا نفس کا استکبار ہے۔ ان دونوں کو آنحضور ﷺ نے الگ الگ بیان فرمایا بلکہ یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو وہ متکبر سب سے برا لگتا ہے جو غریب بھی ہو اور پھر بھی متکبر۔ یعنی جس کے پاس مال و دولت ہو، تکبر کے لئے کوئی

چیز ہو اس کے متعلق تو کہہ سکتے ہیں کہ بے چارے کو غلط فہمی پیدا ہو گئی لیکن بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا نفس متکبر ہوتا ہے جبکہ ان کے پاس کوڑی کی چیز بھی نہ ہو تب بھی وہ متکبر رہتے ہیں۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۷﴾ (البقرۃ: ۲۰۷)

کہ جب اسے کہا جاتا ہے کہ اللہ کا خوف کرو تمہیں خدا کی خاطر نصیحت کی جا رہی ہے اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ اس کو اپنے نفس کی عزت پکڑ لیتی ہے گناہ کے ساتھ۔ یعنی یہ قرآن کریم کی عجیب ترکیب ہے جس کا معنی یہ ہے کہ نفسانی عزت اسے گناہ پر چمٹے رہنے پر مجبور کر دیتی ہے وہ سمجھتا ہے کہ اگر میں نے اس معمولی نظر آنے والے انسان کی بات مان لی تو گویا میں جھک جاؤں گا اور میری عزت نفس کو نقصان پہنچے گا اس لئے یہی ٹھیک ہے کہ گناہ ہے تو گناہ ہی سہی۔ میں اپنے اس گناہ کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔ یعنی خودی کا جو بگڑا ہوا تصور ہے اس کو بھی قرآن کریم نے بیان کر دیا۔

پھر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بعض لوگ ذاتی طور پر نیک مزاج بھی ہوتے ہیں، اثر قبول کرنے والے ہوتے ہیں، ان کے دلوں میں نرمی بھی پائی جاتی ہے لیکن ان کی نرمی کمزوری میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ یعنی وہ نرمی صفت حسنہ بننے کی بجائے ایک برائی میں تبدیل ہو جاتی ہے اور وہ معاشرہ سے ڈرتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ اکثریت کیا کر رہی ہے۔ اور امر واقعہ یہ ہے کہ بہت سی برائیاں اس وقت عام ہو جاتی ہیں جب لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ اکثریت نے اختیار کر لی ہیں۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں جن کو اس وقت نیکیوں کا جھنڈا بلند کرنے کی توفیق ملتی ہے۔ کہتے ہیں ٹھیک ہے اب تو عام ہو گیا ہے۔ جس طرح پردہ کے متعلق میں نے بیان کیا تھا کہ بعض کمزوروں نے کہنا شروع کر دیا اب تو جی سب لوگ بے پردہ ہو رہے ہیں، یہی ٹھیک ہے کہ اب اپنے منہ کھول لو اور باہر نکل آؤ۔ قرآن کریم کی اس حصہ پر بھی نظر ہے۔ فرمایا ٹھیک ہے ساری کی ساری قوم بھی اگر گناہوں میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جائے تب بھی وہ ایک ہی عزت کے لائق ہوگا جو اس بہاؤ کے خلاف نیکیوں کے ساتھ چمٹا رہے گا اور اس ایک کے دل کو بڑھاتا ہے اور برائیوں کو کثرت سے اختیار کرنے والوں کو حقیر قرار دیتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

(المآئدہ:۱۰۱)

اے محمدؐ! ایسے لوگوں سے کہدے کہ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ پاک اور بد، صاف اور گندا ایک جیسے ہو جائیں۔ خدا تعالیٰ نے جو طیّب کو امتیاز بخشا ہے وہ اپنی ذات میں قائم رہتا ہے اور اس بات سے آزاد ہے کہ اکثر گندے ہیں یا اکثر پاک ہیں۔ فرمایا وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ اے انسان! اگر تجھے کثرت کے ساتھ خباثت اور گندگی نظر آئے اور تو اس سے مرعوب ہو جائے تب بھی یہ ممکن نہیں ہے کہ خدا کی نظر میں طیب اور بد کا معاملہ الٹ جائے۔ بد اگر کروڑوں کروڑ بھی ہوں گے تو بد رہیں گے اور نیک اگر کروڑوں کی سوسائٹی میں ایک بھی ہوگا تو خدا کی نظر میں وہ نیک ہی رہے گا۔ وہ برابر نہیں ہو سکتے۔ بدیوں کے پھیلنے اور ان کو روکنے کا یہ اتنا گہرا فلسفہ ہے کہ اگر انسان اس سے واقف ہو جائے تو بہت سی بدیاں جنہوں نے سیلابوں کی طرح کناروں کو کھالیا ایسے لوگوں کی وجہ سے روکی جا سکتی تھیں جو اس بات پر اگر اٹھ کھڑے ہوتے کہ ہم تعداد میں خواہ کتنے ہی کم ہوں ہمیں اس بات کی کوئی پرواہ نہیں، ہم نیکی کو پکڑ کے رہیں گے۔

یہ فلسفہ بہت گہرائی کے ساتھ انسانی فطرت میں کارفرما نظر آتا ہے۔ چنانچہ ووٹوں کے وقت اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ وہی کمزوری جس کا قرآن کریم نے یہاں ذکر کیا ہے وہی خاموشی کے ساتھ سر اٹھا لیتی ہے اور انسان کو پتہ بھی نہیں لگتا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ دنیا میں الیکشن ہوتے ہیں تو بسا اوقات یہ دیکھا گیا ہے کہ اگر کسی شخص کے لئے زیادہ ہاتھ اٹھ کھڑے ہوئے ہوں تو ایک طبقہ جو اس وقت تک خاموش بیٹھا ہوا تھا وہ بھی اپنے ہاتھ اٹھانے لگ جاتا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے اگر انہوں نے ہاتھ نہیں اٹھائے تھے تو لازماً دل نے فیصلہ کیا تھا کہ یہ شخص طیب نہیں ہے یعنی اس نقطۂ نگاہ سے طیب نہیں ہے یا اس نقطۂ نگاہ سے موزوں نہیں ہے اس کے باوجود جب کثرت کو دیکھا تو ہاتھ اٹھا دیئے۔ یہ کریکٹر کی کمزوری ہے جو انسان کے اندر ایک دبی ہوئی بیماری کے طور پر موجود رہتی ہے اور یہ کمزوری برائیوں کے پھیلنے میں بہت مدد دیتی ہے۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ اگر تم میں سے ہر آدمی اس بات کو

خوب اچھی طرح سمجھ لے کہ طیب طیب ہی رہتا ہے اور اسکی فضیلت اپنی جگہ قائم رہتی ہے، وہی عزت کے لائق ہے اور خبیث چیز کثرت کے باوجود خبیث رہتی ہے بلکہ اور زیادہ گھناؤنی بن جاتی ہے کیونکہ گند بڑھتا ہے تو اور زیادہ مکروہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ تو اس سے تمہیں بہت سے سبق ملیں گے اور نصیحت کو بہتر رنگ میں قبول کرنے کے اہل ہو جاؤ گے۔ اور یہ امر واقعہ ہے کہ انسان کا نفس خود اس بات کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے کہ کسی شخص میں اکیلے رہنے کے باوجود ایک اعلیٰ قدر کو پکڑنے کی اہلیت موجود ہے یا نہیں۔ اور بعض دفعہ انسان کی طبیعت پر اس کا اتنا گہرا اثر پڑتا ہے کہ ایک چھوٹا سا واقعہ اس کی ساری زندگی پر حاوی ہو جاتا ہے۔

انگریزوں کے ساتھ جب افغانستان کی لڑائیاں لڑی جا رہی تھیں، ۱۸۵۵ء میں جب انگریزوں کی فوج کو افغانوں نے مختلف طریق سے مثلاً جنگی چالیں چل کر اور کہیں حکمت عملی سے کام لے کر نہ صرف شکست دی بلکہ کُلّیۃً تباہ و برباد کر دیا، اس وقت انگریزوں کی فوج کے جو جرنیل اور چند آدمی بچے ان کی داستان لکھتے ہوئے وہ جرنیل لکھتا ہے کہ ہم سے دھوکے پر دھوکہ ہو رہا تھا، عہد شکنی پر عہد شکنی ہو رہی تھی یہاں تک کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ ساری قوم میں سوائے بدعہدی اور عہد شکنی کے اور کوئی بات باقی نہیں رہی۔ وہ ایک واقعہ لکھتا ہے اور کہتا ہے ایک دفعہ ہمیں کہا گیا کہ آؤ خوانین بیٹھے ہیں اور صلح کا معاہدہ ہوگا اور اپنے چوٹی کے آدمی ساتھ لے لو۔ یہ خود ان میں شامل تھا لیکن اس کے ایک بہت ہی پرانے دوست خان نے اس کو بڑی حکمت کے ساتھ پناہ دے دی اس لئے بچ گیا۔ کہتا ہے اس وقت ہزار ہا کا مجمع وہاں کھڑا تھا اور لوگ قتل و غارت کر رہے تھے۔ کہتا ہے اس سارے مجمع میں ایک ایسی آواز بلند ہوئی جس نے ہمیشہ کے لئے میری زندگی پر اثر ڈال دیا ہے اور میں کبھی اس آواز کو فراموش نہیں کر سکتا۔ ایک شخص خدا کا خوف رکھنے والا ایسا تھا جس نے قطعاً پراوہ نہیں کی کہ لوگ مجھے کیا کہیں گے۔ اس نے بلند آواز سے کہا اے لوگو! خدا کا خوف کرو اور تقویٰ اختیار کرو اور اپنے عہدوں کو پورا کرو اور بدعہدیاں نہ کرو تم کس طرف جا رہے ہو۔ کہتا ہے اس ایک آواز نے میرے دل میں اس قوم کی عزت قائم کر دی کہ ایسے حالات میں بھی ایسے ایسے نیک دل اور پاک لوگ موجود ہیں جن کے اندر عظمت کردار پائی جاتی ہے۔

حضرت صاحبزادہ سیّد عبداللطیف صاحبؓ کے متعلق ابھی چند سال ہوئے ایک بڑی

دلچسپ روایت معلوم ہوئی۔ ہمارے صوبہ سرحد کے ایک مخلص احمدی دوست ہیں جن کے تعلقات کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ چند سال پہلے افغانستان سے ایک ایسے دوست ان سے ملنے کے لئے آئے یا یہ گئے وہاں ملنے کے لئے مجھے اس وقت صحیح یاد نہیں بہر حال ان کی ملاقات ہوئی۔ یہ وہ شخص ہیں جنہوں نے افغانستان کی آزادی کی روح کا Symbol یعنی نشان قائم کیا ہے یعنی یہ وہ آرکیٹیکٹ (نقشہ بنانے والے) ہیں کہ جب افغان قوم نے یہ فیصلہ کیا کہ افغان آزادی کی روح کا ایک Symbol یعنی یادگار قائم کی جائے تو یہ کام اسی آرکیٹیکٹ کے سپرد تھا کہ تم ڈیزائن بھی کرو یہ بھی فیصلہ کرو کہ اس کے لئے سب سے زیادہ موزوں جگہ کون سی ہے۔ ہمارے احمدی دوست کہتے ہیں میں جب ان سے ملا تو میں بھی وہ مینار دیکھنے گیا تو پتہ لگا کہ وہ موزوں جگہ پر نہیں ہے۔ ایک ایسی جگہ پر ہے جو آرکیٹیکچر یعنی فن تعمیر کے نقطۂ نگاہ سے موزوں نہیں تھی۔ ایسی جگہ کمانڈنگ ہونی چاہئے، اونچی ہونی چاہئے، کھلا منظر ہو تا کہ دور دور سے نظر آئے لیکن وہ مکانوں میں گھری ہوئی ایک چوک کے اندر جگہ تھی مجھے بڑا تعجب ہوا۔ میں نے اس بوڑھے سے پوچھا کہ تم تو بڑے قابل آرکیٹیکٹ ہو تم نے اس یادگار کے لئے اس جگہ کا انتخاب کیوں کر لیا۔ اس نے جواب یہ دیا کہ اس کا انتخاب اس لئے کیا کہ مجھے یہ کہا گیا تھا کہ افغان روح آزادی کو خراج تحسین ادا کرنا ہے یعنی یہ کہ وہ تمام دنیا کے اثرات سے آزاد ہے اس کو دنیا کا کوئی خوف نہیں ہے اور حق پر قائم رہنا جانتی ہے یہ تھی اس کی روح۔ اور میں جب بچہ تھا میں نے یہاں اسی چوک میں ایک ایسا واقعہ دیکھا تھا کہ وہ ہمیشہ ہمیش کے لئے میرے دل پر ثبت ہو گیا۔ میں نے یہ دیکھا کہ ایک بزرگ زنجیروں میں جکڑا ہوا سنگسار کرنے کیلئے لے جایا جا رہا تھا۔ ہم بھی بچوں میں شامل ہو کر اسکا نظارہ دیکھنے کے لئے گئے۔ میں نے اسکے چہرہ پر ایسی عظمت دیکھی، ایسی آزادی دیکھی، ایسی بے خوفی دیکھی اور ایسا اطمینان تھا اور اس کے چہرہ پر طمانیت کی ایسی مسکراہٹ تھی کہ وہ میرے ذہن سے کبھی نہیں اترتی۔ پس جب مجھے میری قوم نے کہا کہ افغان روح آزادی کو خراج تحسین ادا کرنا ہے اور اس کے لئے ایک مینار قائم کرنا ہے تو میں نے سوچا کہ اس سے بہتر اور کوئی جگہ نہیں جہاں میں نے اس آزادی کی روح کو دیکھا تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ سے تو کوئی بات نہیں بنتی۔ تم میں اگر ایک بھی طیب ہوگا، ایک بھی صالح ہوگا تو وہی غالب آئے گا، اُسی کی یادیں باقی رکھی جائیں گی۔ خباثت کو

ملیا میٹ کر دیا جائے گا۔ پس اس وجہ سے کہ لوگ زیادہ گندے ہو گئے ہیں تم اگر گندگی کو اختیار کر رہے ہو تو یہ تمہاری بڑی بیوقوفی ہے۔ چنانچہ اس جذبہ کا بھی خوب تجزیہ کر کے انسانی کپڑے سے صاف اور پاک کر دیا تا کہ اللہ کے بہتر رنگ اختیار کرنے کے وہ قابل ہو سکے۔

پھر ایک اور وجہ ناصح پر عدم اعتماد ہوتا ہے۔ بعض دفعہ مقصد پر عدم اعتماد ہوتا ہے۔ یعنی کہنے والے پر اعتماد نہیں کہ وہ ہے کیسا لہٰذا اسکی طرف سے جو نصیحت آتی ہے وہ نصیحت ہی مشکوک ہو جاتی ہے۔ پھر بعض دفعہ کہنے والا اچھا بھی ہو تو جس مقصد کی طرف بلا رہا ہے وہ مقصد بعض دفعہ اچھا نہیں ہوتا۔ چنانچہ کہنے والے کی نصیحت وہاں بھی بے کار چلی جاتی ہے۔

پھر بعض دفعہ انسان سمجھتا ہے کہ ٹھیک ہے دونوں باتیں ٹھیک ہیں لیکن میں نہ بھی مانوں گا تو کیا فرق پڑ جائے گا۔ میں نے کون سا پکڑے جانا ہے۔ ان تینوں چیزوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ (الانفال:۲۵)

کہ اے لوگو! اللہ اور رسول کی بات پر لبیک کہو کیونکہ اللہ اور محمد مصطفیٰ ﷺ سے بہتر نصیحت کرنے والا تمہیں اور کوئی نہیں مل سکتا۔ اللہ وہ ہے جو تمام حکمتوں کا سر چشمہ ہے، ہر اچھی بات اس کی ذات سے پھوٹتی ہے، اسکی ذات پر بدظنی کا تو تمہیں کوئی حق نہیں اور محمد مصطفیٰ ﷺ اس لئے کہ اللہ کے رنگ اس شخص سے بہتر کسی نے اختیار نہیں کئے اور اس کمال کے ساتھ کسی نے اختیار نہیں کئے جس طرح محمد مصطفیٰ ﷺ نے اختیار کر لئے ہیں۔ پس جہاں تک نصیحت کرنے والے کا تعلق ہے اس سے بہتر اور کوئی نہیں ہو سکتا، پھر کیوں پیٹھ پھیر کر بھاگ رہے ہو۔ جہاں تک مدعا اور مقصود کا تعلق ہے فرمایا لِمَا يُحْيِيْكُمْ یہ تو تمہیں موت سے زندگی کی طرف بلا رہا ہے نصیحت کا اس سے بہتر مقصد اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس چھوٹی سی بات میں آنحضرت ﷺ کی تمام نصائح کے مقصود کو بیان فرما دیا۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ باقی باتیں تو ٹھیک ہیں لیکن یہ باتیں ذرا ٹھیک نہیں یہ ہمارے لئے مناسب نہیں ہیں یا نہ بھی کریں تو فرق نہیں پڑتا۔ یہ آیت بتا رہی ہے کہ اگر تم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی کسی ایک بات

سے بھی منہ موڑو گے تو اس حصہ میں زندگی پر موت کو ترجیح دینے والے ہو گے۔ موت کے بھی مختلف دائرے ہوتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا یہ ضروری نہیں کہ انسانی جسم یک لخت مر جائے۔ بعض لوگوں کی انگلی مر جاتی ہے، بعض کا صرف ناخن مرتا ہے، بعض کا بازو شل ہو جاتا ہے اور ٹکڑا ٹکڑا موت بھی آتی ہے۔ بعض اعضا مر جاتے ہیں آنکھ مر جاتی ہے، بعض دفعہ آنکھ کا پردہ مر جاتا ہے یا آنکھ کی ایک رگ مر جاتی ہے۔ پس یہ ضروری نہیں کہ موت کامل طور پر آئے۔ جس حصہ میں بھی زندگی کے تقاضوں سے اجتناب کیا جائے گا اس حصہ کو موت پکڑ لے گی۔ یہ قانون ہے اور اس آیت نے ہمیں یہ بتایا کہ چونکہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نصیحت کا تمام تر مقصد یہ ہے کہ وہ تمہیں زندگی بخشیں اس لئے اگر تم حضور اکرم ﷺ کے کسی فرمان سے اجتناب کرو گے تو اگر وہ چھوٹا ہوگا تو چھوٹی موت قبول کر رہے ہو گے اور اگر بڑا ہوگا تو بڑی موت قبول کر رہے ہو گے لیکن اس سے کوئی مفر نہیں ہے کہ تم اپنے لئے موت کو چن رہے ہو اور زندگی کو چھوڑ رہے ہو۔

پھر جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ عقوبت سے بچ جائیں گے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ عقوبت سے بچنے کے دو قسم کے امکانات انسان کے لئے پیدا ہوتے ہیں اور اس چھوٹی سی آیت میں ان دونوں کا ذکر فرما دیا گیا۔ اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ میں ایک پہلو سے بحث فرمائی گئی وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ میں دوسرے پہلو سے بحث اٹھائی گئی۔ مجرم کو اگر یہ یقین ہو جائے کہ میں پکڑا نہیں جاؤں گا یا غالب گمان یہ ہو کہ جیسا کہ اکثر مجرموں کو ہوتا ہے کہ وہ عقوبت سے بچ جائیں گے کیونکہ میری بات کسی کے علم میں نہیں آئے گی تو ایسا مجرم بھی نصیحت کو رد کر دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے تم بے شک نیکی کی نصیحت کرتے رہو مجھے بدی اختیار کرنے سے فرق کیا پڑتا ہے۔ میں ایسی چالاکی کے ساتھ کروں گا کہ میری بدی کا تو کسی کو پتہ ہی نہیں لگے گا اور کسی کو خبر تک نہ ہوگی۔ اس لئے تمہاری نصیحت تو ان بیوقوفوں کے لئے ہے جو پکڑے جاتے ہیں۔ میں تو پکڑے جانے سے آزاد ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ خدا کے نام پر تمہیں جو نصیحت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کر رہے ہیں وہاں تمہارے لئے اس بے خوفی کا کوئی موقع نہیں۔ اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ اللہ تعالیٰ انسان کے جسم اور روح کے درمیان حائل ہے۔ جو باتیں بھی انسان کے قلب میں یعنی اس کی روح میں پرورش پاتی ہیں اور جن باریکیوں کے

ساتھ وہ سوچتا ہے اس کے احکامات جسم کو صادر ہورہے ہوتے ہیں۔ جس طرح بعض دفعہ سائنسدان تجربے کی چیزوں میں ایسی نالیاں رکھتے ہیں جہاں سے ایک مواد ایک خاص حالت کے بعد گزرتا ہے تو وہ اس کی نگرانی کر سکتے ہیں کہ کس حالت میں گزر رہا ہے۔ اس کا رنگ، اس کا Flow، اس کی Volume وغیرہ یہ چیزیں ٹھیک ہیں یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم تمہارے ہر ارادہ اور ہر فعل کے درمیان بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ تمہارا کوئی ارادہ فعل میں تبدیل ہورہا ہو اور خدا کے علم سے باہر رہ جائے اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ کا یہ مطلب ہے۔ پس تمہاری یہ بے خوفی تو بے حقیقت ہوگئی۔ اور اگر تم اس وجہ سے بیٹھے ہو اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نصیحتیں رد کر رہے ہو تو پھر یہ غلط فہمی دل سے نکال دو۔ اور ساتھ ہی فرما دیا وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ جہاں تک اس وہم کا تعلق ہے کہ اگر پتہ لگ بھی جائے گا تو کوئی فرق نہیں پڑتا میں بچ کر کہیں بھاگ جاؤں گا تو فرمایا خدا سے بچ کر تو کوئی نہیں بھاگ سکتا۔ آخر تم پکڑے پکڑائے وہیں پہنچو گے۔ اسی سرکار میں تم نے حاضر ہونا ہے۔ کائنات کی کوئی چیز اس سے بچ نہیں سکتی۔ تم جہاں بھی جاؤ گے وہاں خدا کو پاؤ گے۔

میں نے پہلے بھی ایک واقعہ سنایا تھا۔ لاہور ہی کے ایک مخبوط الحواس شخص کا واقعہ ہے اور وہ اس مضمون پر ایک خاص رنگ میں روشنی ڈالتا ہے اس لئے میں اس کو پھر بیان کرتا ہوں۔ کہتے ہیں کہ لاہور میں ایک نیم مجذوب دیوانہ سا آدمی اپنے خیالات میں مست پھرا کرتا تھا۔ ایک دن اس نے بڑی خوشی کا اظہار کیا کہ آج بہت مزہ آیا۔ کسی نے پوچھا کس بات کا مزہ آیا۔ اس نے کہا مزہ یہ ہے کہ میں نے اللہ کو خوب بتا دیا ہے اور صاف کہہ دیا ہے کہ مجھے تیری دنیا پسند نہیں آئی اور یہ کہہ کر دل ہی دل میں موجیں لوٹ رہا تھا کہ دیکھو میں نے خدا کو کیسی بات کہہ دی کہ مجھے تیری دنیا پسند نہیں آئی۔ دوسرے تیسرے دن اس کو دیکھا گیا کہ سر نیچے کیا ہوا ہے، غم میں ڈوبا ہوا ہے اور بے چارے کا برا حال ہے تو اسی پوچھنے والے نے پوچھا کہ بابا! آپ دو چار دن پہلے تو بڑے خوش تھے، اب آپ کو کیا ہو گیا اتنے اداس کیوں ہیں؟ انہوں نے کہا جواب آ گیا ہے اور جواب یہ آیا ہے کہ پھر جس کی دنیا پسند آئی ہے وہاں چلے جاؤ۔ خدا کے سوا دنیا ہی کسی کی نہیں۔ اس لئے پسند کرو یا نہ پسند کرو۔ طوعاً و کرهاً تمہیں اپنے رب سے راضی رہنا پڑے گا اور لازماً تم اسی کے حضور پہنچو گے۔ ایسی کوئی جگہ نہیں ہے کہ تم کسی ملک کا بارڈر کراس کر کے اس سے بچ جاؤ۔ تم خواہ کسی رنگ کو اختیار کرو، کسی بھیس کو تبدیل کر لو، تم نے ہر حال میں بالآخر اپنے رب کے حضور حاضر ہونا ہے۔

ان سب باتوں کے باوجود بعض بیماریاں ایسا گہرا اثر کر جاتی ہیں کہ وہ ایک قسم کا کینسر بن جاتی ہیں اور خدا تعالیٰ ان کا بھی ذکر فرماتا ہے یعنی پچھلی ساری برائیاں اور داغ اگر دھو بھی دیئے جائیں تب بھی بعض لوگوں کی بیماریاں ان کا احاطہ کر لیتی ہیں ایسی صورت میں پھر ان پر اللہ کا رنگ نہیں چڑھ سکتا۔ وہ نصیحت کو قبول نہیں کر سکتے۔ چنانچہ فرمایا:

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓــَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ (البقرة:۸۲)

کہ ان سب باتوں کے باوجود کچھ بدقسمت لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جن کی بیماری عادت بن کر، فطرت ثانیہ بن کر ان کی ذات کا جزو بن جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ کہنے کی بجائے کہ ذات کا جزو بن جاتی ہے بہت ہی پیارا کلمہ اختیار فرمایا کہ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓــَٔتُهٗ بیماری ان پر گھیرا ڈال لیتی ہے اور یہ گھیرا توڑ کر کوئی نکل نہیں سکتا۔ فوج میں جب کسی دوسری فوج کو مغلوب کرنا ہو تو گھیرا ڈالا جاتا ہے اسی طرح بیماری انسان پر ایسا سخت گھیرا ڈال لیتی ہے کہ وہ توڑ کر باہر نہیں جا سکتے۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا کہ جس طرح بیماری نے ان پر گھیرا ڈال لیا اور ان کی بدی میں ایک ابدیت آ گئی عذاب جہنم میں بھی ایک ابدیت پیدا کر دی جائے گی اور ان کی سزا بھی اسی طرح جاری و ساری ہوگی۔ چنانچہ آنحضور ﷺ نے اس مضمون کو کشفی طور پر مختلف صورتوں میں دیکھا۔ آنحضور ﷺ کو جب کشفی نظارے کے طور پر جہنم دکھائی گئی تو آپ ؐ نے ایک ایسے تنور کو بھی دیکھا جس میں آگ بھڑک رہی تھی اور اس میں جلنے والا باہر نکلتا تھا اور پھر اس میں پڑ جاتا تھا، باہر نکلتا تھا اور پھر اس میں پڑ جاتا تھا۔ اس پر جبرائیل علیہ السلام نے آپ ؐ کو بتایا کہ یہ وہ بدکردار شخص ہے جو بدکرداری کا اتنا شکار ہو چکا تھا کہ اس سے الگ نہیں ہو سکتا تھا۔ شہوانی جذبہ پورا ہو گیا تو وہ توبہ کی طرف مائل ہو گیا، دوبارہ عود کر آیا تو پھر گناہ میں ملوث ہو گیا تو جس طرح اس کی زندگی کی حالتیں تھیں وہی موت کے بعد اس کی حالتیں تبدیل کر دی گئیں اور ایسا ہوتا ہے۔ غالب کہتا ہے:

؎ رات پی زمزم پہ مے اور صبح دم
دھوئے دھبّے جامۂ احرام کے (دیوان غالب صفحہ)

ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں۔ اور بعض دفعہ دونوں حالتیں بے اختیاری کی ہو جاتی ہیں۔ جب

توبہ کر رہے ہوتے ہیں اس وقت بھی واقعی دل خدا کے حضور نرم ہوا ہوتا ہے، جب وہ گناہ کر رہے ہوتے ہیں تو واقعی گناہ کی طرف مائل ہوتے ہیں اس لئے ان کی سزا کا نظارہ بھی ویسا ہی دکھایا کہ بیماری کا گھیرا پڑا ہوا ہے اس سے نکل نہیں سکیں گے لیکن تھوڑا سا ریلیف ہو جایا کریگا، کچھ سکون مل جایا کریگا، پھر اس کے بعد دوبارہ واپس۔ پھر وہ باہر نکلیں گے، پھر تھوڑا سا سکون ملے گا، پھر دوبارہ واپس جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔

پس خدا نے اس بیماری کو بھی خوب کھول کھول کر واضح کر دیا، لیکن اس کے باوجود مایوسی سے منع فرمایا کیونکہ بیماری کا گھیرا انسان کو پڑ سکتا ہے خدا کو تو کوئی بیماری نہیں گھیر سکتی کیونکہ وہ ہر گھیرے سے آزاد اور ہر عیب سے پاک ہستی ہے۔ وہ اگر رحم کرنا چاہے اور اس سے دعا کا تعلق جوڑا جائے تو گناہ خواہ کتنے ہی بڑے ہوں وہ سارے کے سارے ختم ہو سکتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی مغفرت انسان کو پوری طرح ڈھانپ سکتی ہے۔ یہ باتیں بیان کرنے کے ساتھ اس پہلو کو بھی خوب کھول کر بیان فرما دیا تا کہ کسی کے دل میں مایوسی گھر نہ کر لے۔ وہ یہ نہ سمجھ لے کہ چونکہ میری برائی نے گھیرا ڈال لیا ہے اس لئے میں ہمیشہ کے لئے جہنمی ہو چکا، اب میرے بچنے کی کوئی راہ نہیں چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝۵۴ (الزمر:۵۴)

اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے نفوس پر بے انتہا زیادتیاں کی ہیں، ہر موقع پر اسراف سے کام لیا ہر موقع پر گناہ میں ملوث ہو گئے یعنی ایک بدی میں نہیں گویا دنیا کی سب بدیوں نے ان کے گھیرے ڈال لئے۔ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ تب بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا۔ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اگر تم سچی توبہ کرو گے (یہاں بظاہر توبہ کا ذکر نہیں لیکن دوسری آیتوں میں اس مضمون کو کھولا گیا ہے اس لئے اس کا مفہوم اس آیت کے اندر داخل ہے) تو وہ تمام گناہوں کو بخشنے کی طاقت رکھتا ہے، وہ مالک ہے اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ وہی تو ہے جو غفور رحیم ہے اس کے سوا ہے کون جو غفور رحیم ہو۔

پس گناہوں کے تجزیئے بھی خوب مکمل کئے۔ ہر بیماری کی خبر دی، بیماریوں کے حد سے بڑھنے کی اطلاع بھی دی اور پھر بیماریوں کے اس گھیرے کو توڑنے کی ترکیب بھی بتادی کہ غفور رحیم خدا سے تعلق جوڑ لو، اس سے محبت کرو، اس سے پیار کرو اور جب بھی تمہیں سچی توبہ کی توفیق ملے تو تم اس بات کا یقین کر لینا کہ تمہاری تمام بدیاں اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور وہ ان کو اس طرح زائل کر سکتا ہے کہ گویا کبھی موجود ہی نہ تھیں۔

احادیث میں بھی ہمیں اس کی بہت تفاصیل ملتی ہیں۔ آنحضرت ﷺ اس مضمون کو مختلف رنگ میں مختلف واقعات کی شکلوں میں بیان فرماتے ہیں۔ کبھی مثال دیتے ہیں ایک ایسی فاحشہ کی جو تمام عمر بدیوں اور گندگیوں میں مبتلا رہی، اس کے جسم کا ذرہ ذرہ داغدار تھا لیکن ایک صحرا سے گزرتے ہوئے اس کی نظر ایک ایسے کتے پر پڑی جو پیاس سے بلک رہا تھا، اسکی زبان پیاس کی وجہ سے سوکھ کر باہر نکلی ہوئی تھی، پاس ہی ایک کنواں تھا لیکن کتے کے بس میں نہیں تھا کہ وہ کنویں سے پانی پی لے اور وہاں کوئی ڈول نہیں تھا۔ اس فاحشہ نے اپنے کپڑے جو بھی وہ اتار سکتی تھی وہ اتار کر رسی بنائی۔ اپنی جوتی کو کنویں میں لٹکایا اور اس وقت تک تھوڑا تھوڑا پانی نکالتی رہی جس وقت تک کتے کی پیاس نہیں بجھ گئی۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو اس پیار سے دیکھا کہ اسکی ساری عمر کے گناہ معاف فرما دیئے اور اس کو جنت میں داخل فرما دیا۔ (صحیح بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب حدیث الغار) اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا گناہوں کے پہاڑ بھی ہوں تو وہ ان کو معاف فرما سکتا ہے۔

پھر آنحضور ﷺ مختلف رنگ میں اور بھی بڑے دلچسپ واقعات بیان کر کے ان کے مختلف پہلو انسان کے سامنے رکھتے ہیں تا کہ اس کے دل میں خدا کی خشیت بھی پیدا ہو اور اس سے محبت بھی پیدا ہو اور اس کو کسی بہانے سے مغفرت کے سامان نصیب ہو جائیں۔ آنحضور ﷺ کو بنی نوع انسان سے اتنا پیار اور اتنی ہمدردی ہے کہ بعض دفعہ ایسی جذباتی باتیں بیان فرماتے ہیں کہ گویا اللہ مجبور ہو جائے ان جذباتی باتوں کو سن کر کہ چلو معاف ہی کر دو۔ پس ٹھیک ہے کہ خدا سے بخشش اور معافی مانگنے کے طریق سکھائے گئے ہیں۔

ایک موقع پر آپ فرماتے ہیں کہ ایک شخص جو بالآخر ہر طرف سے مایوس ہونے کے بعد

توبہ کے ارادہ سے ایک طرف چل پڑا اور پیشتر اس کے کہ وہ اپنی منزل مقصود کو پہنچتا اس کی موت واقع ہوگئی۔ فرشتوں نے یہ معاملہ خدا تعالیٰ کے حضور پیش کیا اور عرض کیا اے اللہ! اس سے کیا سلوک کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ توبہ کے ارادہ سے چل پڑا تھا، تم یوں کرو کہ دونوں طرف کی زمین ناپو، جس طرف اس نے جانا تھا اس طرف کی بھی ناپ لو اور جس طرف سے چلا تھا اس طرف کی بھی ناپ لو اور جس طرف کی زمین زیادہ ہو اسی کے حق میں فیصلہ کر دو۔ اور ساتھ ہی خدا کی تقدیر نے یہ کیا کہ فرشتہ جب اس طرف کی زمین ناپ رہا تھا جو گناہ کی طرف کی زمین تھی تو وہ زمین سکڑتی چلی گئی اور جب اس طرف کی زمین ناپ رہا تھا جو نیکی کی طرف کی زمین تھی تو زمین پھیلتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ بالآخر نیکی والا عرصہ بدی والے عرصہ پر غالب آ گیا اور خدا نے اس کو معاف فرما دیا۔ (صحیح مسلم کتاب التوبۃ باب قبول توبۃ القائل وان کثر قتلہ) اب بظاہر یہ ایک عجیب سی بات لگتی ہے۔ لیکن اگر آپ غور کریں تو یہ ایک مربوط نظام کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (الشوریٰ:۴۱) ہر بدی کا بدلہ بدی سے زیادہ نہیں دیا جائے گا اور اگر اللہ چاہے تو اس بدی کو معاف بھی کر سکتا ہے یعنی اس زمین کو اور بھی چھوٹا کر سکتا ہے۔ اور جہاں تک نیکیوں کا تعلق ہے فرمایا اس کی کوئی حد ہی نہیں ہے جتنا خدا چاہے اس کو بڑھاتا چلا جائے۔ تو یہ مضمون ہے جس کی طرف اشارہ فرمایا گیا۔ یہ کہہ کر کہ اس کی بدیوں کی زمین تنگ کی گئی۔ جب خدا تعالیٰ بخشش پر آمادہ تھا تو اصل بدیوں سے زیادہ تو جزا دینے کا سوال ہی نہیں تھا۔ وہ بدیاں کم کرتا چلا جا رہا تھا اور نیکیوں کی جزا اس کے قبضہ میں تھی وہ بڑھاتا چلا گیا اس لئے ہر قسم کے گناہوں پر ادنیٰ سے ادنیٰ نیکی بھی غالب آسکتی ہے اگر اللہ تعالیٰ مغفرت کا ارادہ فرمالے۔

پھر آنحضرت ﷺ نے بنی نوع انسان کو توجہ دلانے کے لئے اور خدا تعالیٰ کا رحم جیتنے کے لئے ایک عجیب واقعہ بیان فرمایا۔ آپؐ نے فرمایا کہ خدا کی خشیت بھی بعض دفعہ ایسا محرک بن جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ گویا بخشش پر مجبور ہو جاتا ہے اور بخشش کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ملتا۔ ایں مُشتِ خاک گر نہ بخشم چہ کنم۔ یہ مضمون پیدا ہو جاتا ہے۔ اس خاک کی مٹھی کو میں نہ بخشوں تو کروں کیا۔ ایسی ہی ایک خاک کی مٹھی کی آنحضور ﷺ نے مثال دی اور فرمایا کہ ایک شخص اتنا گناہگار تھا کہ ہر طرف سے اس کو مایوسی تھی اور وہ جانتا تھا کہ دنیا کی کوئی بدی نہیں ہے جو میں نے نہ کی ہو اس لئے جانتا تھا کہ میں

نے لازماً جہنم میں جانا ہے مرنے سے پہلے اس نے اپنے بچوں کو اکٹھا کیا اور یہ نصیحت کی کہ دیکھو جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا کر خاکستر کر دینا، ایک ذرہ بھی میرے جسم کا جلے بغیر باقی نہ چھوڑنا اور جب سارا جسم خاک بن جائے تو اسے تیز آندھی والے دن اس طرح اڑا دینا کہ اس کا نشان بھی کہیں نہ ملے۔ یا ایک روایت میں یہ بیان کیا ہے کہ پانی کی تیز دھار موجوں میں اس طرح بہا دینا کہ اس کا کوئی نشان باقی نہ رہے۔ جب وہ مر گیا تو اس کے بچوں نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے ہواؤں اور پانیوں کو حکم دیا کہ اسکے جسم کے سب ذروں کو اکٹھا کر کے پھر اس کو اصل شکل میں تبدیل کر دو۔ اس پر جب وہ خدا کے حضور حاضر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا: اے میرے بندے! تجھے کس بات نے مجبور کیا تھا کہ تو اپنے بچوں کو اس قسم کی وصیت کرے؟ اس نے کہا اے خدا! میں نے اتنے گناہ کئے تھے، مجھے تیرا اتنا خوف تھا کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ اتنے گناہوں کے ساتھ تیرے حضور حاضر ہوں۔ اللہ نے فرمایا اچھا! خوف وجہ تھی تو پھر میں تجھے معاف کرتا ہوں۔ (بخاری کتاب التوحید۔ ابن ماجہ کتاب الزھد باب ذکر التوبۃ)

ایک طرف یہ خدا ہے۔ دوسری طرف اتنا باریک بین ہے کہ انسان اور اس کے ارادوں کے درمیان حائل بیٹھا ہوا ہے۔ ایک طرف حضور اکرم ﷺ خوف دلاتے ہیں تو حد کر دیتے ہیں کہ انسان ساری عمر کی نیکیوں پر بنا کرتے ہوئے بھی اپنی بخشش کی امید نہیں رکھ سکتا۔ دوسری طرف گناہگاروں سے مایوسی دور فرماتے ہیں تو کمال ہو جاتا ہے۔

یہ ہے نصیحت کرنے والا محمد مصطفیٰ ﷺ جو ہمیں عطا ہوا۔ پس جو نصیحت بھی آپؐ نے کی یا آپؐ کے نام پر کی جاتی ہے، جماعت احمدیہ کو اسے تخفیف کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہئے۔ ان ساری باتوں کو سمجھ کر اپنے کپڑے صاف کریں کیونکہ آج صِبْغَةَ اللّٰهِ کے بغیر دنیا کی نجات ممکن نہیں ہے اور صِبْغَةَ اللّٰهِ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن پہلے اپنے نفوس کو اس قابل بنائیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعہ اللہ کے رنگ آپ کی روح اور جسم کے ذرہ ذرہ پر حاوی اور مسلط ہو جائیں۔ اگر یہ کجیاں، یہ گندگیاں، یہ برائیاں اسی طرح ساتھ رہیں تو ان داغوں کے اوپر تو اللہ کے رنگ نہیں چڑھ سکتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صفات الٰہیہ کے رنگ میں رنگین ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

خطبہ ثانیہ کے دوران فرمایا:

آج جمعہ کی نماز کے ساتھ نماز عصر جمع ہوگی۔ میں بحیثیت مسافر دوگانہ پڑھوں گا۔ جو دوست مسافر ہیں وہ میرے ساتھ سلام پھیریں گے۔ مقامی دوست بغیر سلام پھیرے کھڑے ہو جائیں گے۔ یہ بار بار بتانے کی اس لئے ضرورت پیش آتی ہے کہ چھوٹے بچے بھی بڑے ہو رہے ہیں۔ بعض دفعہ بڑے ہونے کے باوجود بھی بعض باتوں کی طرف توجہ نہیں رہتی تو بار بار بتانا پڑتا ہے۔ لیکن جب آپ نے کھڑے ہونا ہو تو انتظار کریں، امام دوسرا سلام مکمل کر لے تب کھڑے ہوں کیونکہ جب امام ایک سلام پھیرتا ہے تو ابھی وہ خود کھڑے ہونے کے قابل نہیں ہوتا اور جب تک امام نماز سے آزاد نہ ہو مقتدی آزاد نہیں ہو سکتا۔ اس لئے جب امام دونوں سلام پھیر لے تب کھڑے ہونا چاہئے۔ اس کے نتیجہ میں آپ کے اندر ایک صبر بھی پیدا ہوگا، نماز میں بے صبری نماز کو ختم کر دیتی ہے اور اگر آپ اس عادت سے صبر سیکھ جائیں تو آپ کی نماز کے دیگر ارکان بھی سنور جائیں گے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۳؍اپریل ۱۹۸۳ء)